سرسیّدی مکتب فکر،اثرات ونتائج-ناقدانہ جائزہ

ڈاکٹر غلام علی خان ☆

ارشد منیر لغاری ☆☆

Sir Syed Ahmed Khan was comprehended in two different realms of opinion. The first opinion declared him as a moderate leader while the latter viewpoint suggested that he was a little too pro-British - something that was not acceptable by the Muslims of the subcontinent as they constantly viewed the British as a definite danger to the legacy of Islam. But Sir Syed Ahmed Khan was of the view that in order to reach a level where Muslims would be able to compete with the British equally, Muslims needed to learn their language and their ways in order to be on par with their British counterparts be it any field. This article through the light on the both aspects.

سرسیّداحمد خان دہلی کی ایک بڑے خاندان میں جسے تقرب سلطانی حاصل تھا ۱۸۱۷ء میں پیدا ہوئے انتیس سال کی عمر میں سرکاری ملازمت شروع کی آپ کی ایک خصوصیت تھی کہ باوجود سرکاری ملازمت کی پابندیوں کے آپ کے ہاتھوں بڑے اہم کام سرانجام پائے۔

یوں تو سرسیّد ۱۸۵۷ء سے قبل بھی عام بھلائی کے مختلف کاموں میں مصروف رہتے تھے مگر ان کے اصلاحی اور تعلیمی کاموں کی ابتداء دراصل ۱۸۵۷ء کے اس ہولناک واقعہ سے ہوتی ہے جس نے سرسیّد کے قلب پر زبردست اثر ڈالا۔مولانا حالی اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

''دہلی، مرادآباد اور بجنور کے مسلمان خاندانوں کی تباہی سے سرسیّد کا حال بعینہ اُس شخص کا سا تھا جس کے گھر کا ایک حصّہ آگ سے جل گیا ہو اور باقی حِصّوں کے بچانے کے لیے اِدھر اُدھر ہاتھ پاؤں مارتا پھرتا ہو۔گورنمنٹ تمام ہندوستان کے مسلمانوں سے بدگمان ہوگئی ہے مسلمان گورنمنٹ کے شدید انتقام اور سخت سزاؤں سے جو غدر کے بعد ظہور میں آئیں اس کی مہربانی اور شفقت سے بالکل مایوس ہو گئے ہیں۔

حکمران قوم مسلمانوں کو دشمنی کی نگاہ سے دیکھتی ہے انگریزی اخباروں میں برابر مسلمانوں کے خلاف

☆ اسسٹنٹ پروفیسر،شعبۂ علومِ اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور

☆☆ لیکچرر، زرعی کالج، ڈیرہ غازی خان

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

آرٹیکل لکھے جاتے ہیں جن سے انگریزوں کا دِل روز بروز مسلمانوں سے زیادہ پھٹتا جاتا ہے۔ کچہریاں اور دفاتر مسلمانوں سے خالی ہوتے جاتے ہیں فوج میں ان کی بھرتی کم ہوگئی ہے وہ درباروں میں کم بلائے جاتے ہیں غرض کہ تمام آثار اس بات پر گواہی دیتے ہیں کہ اب مسلمانوں کا ہندوستان میں عزت اور اعتبار کے ساتھ رہنا غیر ممکن ہے ان تمام باتوں پر نظر کر کے اوّل اوّل تو سرسیّد کا بھی جی چھوٹ گیا تھا یہاں تک کہ انہوں نے ہندوستان سے کسی دوسرے اسلامی ملک میں جا کر بودوباش کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا تھا مگر آخر کار ان کو وہ ارادہ فسخ کر کے قوم کی آگ میں کودنا پڑا۔(۱)

سرسیّد نے رسالہ ''اسباب بغاوت ہند'' لکھ کر خود حکام گورنمنٹ کو اُس ہنگامہ کا ذمہ دار قرار دیا اور خاص کر مسلمانوں کو بے قصور ثابت کرنے کے لیے ''وفادار مسلمانان ہند'' کے نام سے مضامین کا ایک سلسلہ شائع کیا جس میں حکومتِ انگریز کے ساتھ مسلمانوں کی وفاداریوں کے حالات درج ہوتے تھے۔

انہوں نے ''اسباب بغاوت ہند'' کی پانچ سو جلدیں ممبران پارلیمنٹ کے پاس اور ایک جلد وائسرائے ہند کے پاس بھجوائیں کونسل کے ایک انگریز ممبر مسٹر سیسل بیڈن (فارن سیکرٹری گورنمنٹ ہند) نے اِسے باغیانہ قرار دیا۔ یہ رسالہ نہ صرف مسلمانوں کی بلکہ کل ہندوستان کی سیاست کا سنگ بنیاد ہے۔ جس پر آگے چل کر ملکی سیاست کی تعمیر ہوئی جو حقیقت میں سرسیّد کی اصل اور بنیادی پالیسی تھی۔

یکم اپریل ۱۸۶۹ء میں سرسیّد اپنے دونوں بیٹوں کے ہمراہ انگلستان گئے وہاں انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ ملکہ معظّمہ وکٹوریہ اور پرنس آف ویلز کی خدمت میں باز یابی ہوئی۔ سی۔ ایس آئی کا تمغہ بھی ملا۔

بڑے بڑے عمائدین کے ہاں اور مختلف اداروں میں ڈنر ہوئے اور تقریریں ہوئیں' یہ وہ وقت تھا جب انگلستان اور ہندوستان دونوں میں سرسیّد حد درجہ مقبول تھے' حکومت انہیں اپنا معتمد سمجھتی تھی۔ مسلمان انہیں اپنا پشت پناہ اور حامی سمجھتے تھے' ہندو انہیں ملک کا خیر خواہ جانتے تھے اور ان کی عقلمندی کی تمام زمانہ میں دھاک تھی۔ اس سلسلہ میں طفیل احمد منگلوری لکھتے ہیں کہ ''ان کی نسبت عوام میں مشہور ہوگیا کہ گورنمنٹ نے ان کا سر خرید لیا ہے تاکہ ان کے اِنتقال کے بعد عمل جراحی کر کے دیکھا جائے کہ ان کے دماغ میں کیا خاص بات ایسی ہے جس کی وجہ سے وہ اس قدر عقلمند ہیں۔(۲)

سرسیّد نے مسٹر اسٹیل اور ایڈیسن کے رسالہ جات ''اور ٹیٹلر'' اور ''اسپیکٹیٹر'' کی شہرت اس سبب سے سن رکھی تھی کہ انہوں نے انگریزوں کے اخلاق وعادات اور رسوم ورواج اور قومی خیالات کی اصلاح میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ لہٰذا ان تصورات میں اصلاحِ مذہب کا اضافہ کر کے ''تہذیب اخلاق'' کے نام سے سر

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

سیّد نے ایک رسالہ نکالا جس کا پہلا پرچہ ۲۴دسمبر ۱۸۷۰ء کو جاری کیا گیا۔

پھر آپ نے اپنے دورہ کے دوران انگلستان کی مختلف یونیورسٹیوں کا بخوبی مطالعہ کیا آپ انگریزوں اوران کی تہذیب اور درسگاہوں سے بہت متاثر ہوئے۔لہٰذا اسی طرز پر مسلمانوں کے لیے ایک اسکیم تیار کی اوراس پرعمل درآمد کے لیے ''کمیٹی خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان'' اور کمیٹی ''خزینۃ البضاعۃ'' قائم کیں۔(۳)

تعلیمی تحریک

سرسیّد کی تحریک عام طور پر تعلیمی تحریک کہلاتی ہے آپ نے عوام کے لیے رسائل جاری کیے' کتب لکھیں' تفسیر لکھی اور ماہوار مضامین رسائل میں چھپتے رہے۔آپ نے ۱۸۵۹ء میں مرادآباد میں فارسی کا ایک مدرسہ قائم کیا ۱۸۶۴ء میں غازی پور میں ایک سکول ہندوؤں اور مسلمانوں کے لیے مشترک قائم کیا۔غازی پور میں ایک سائنٹیفک سوسائٹی قائم کی جو بعد میں علیگڑھ منتقل ہوگئی' اس کا کام انگریزی کتابوں کے اردو ترجمے کرنا تھا۔اخبار انسٹی ٹیوٹ گزٹ اُردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں نکالا۔(۴)

علیگڑھ کالج

انگلستان کے دورے کے بعد جس درسگاہ کا خاکہ سرسیّد کے ذہن میں تھا اس کو ۲۴مئی ۱۸۷۵ء جو کہ ملکہ معظّمہ برطانیہ کی سالگرہ کا دِن تھا مدرسہ کے افتتاح کی تاریخ قرار پائی۔چنانچہ سر ولیم میور نے علیگڑھ ہائی سکول کا افتتاح کیا۔(۵)

یہ سکول ۱۸۷۷ء میں کالج کا درجہ پا گیا اور بعد میں یونیورسٹی بن گیا۔اس ادارہ سے قبل مسلمانوں کے پاس جدید علوم کی کوئی درس گاہ نہ تھی اسے علیگڑھ نے پورا کیا۔یہ محض ایک کالج نہ تھا بلکہ جدید تہذیب اور جدید علوم کی طرف پہلا عملی قدم تھا۔لہٰذا اس طرز پر ملک کے مختلف حصّوں میں سکول اور کالج کھلنا شروع ہوگئے۔

مغربی علوم کی تحصیل کا مقصد سرسیّد اس طرح بیان کرتے ہیں:

''اصلی مقصد اس کالج کا یہ ہے کہ مسلمانوں میں عموماً اور بالتخصیص اعلیٰ درجہ کے مسلمان خاندانوں میں یورپین سائنس اور لٹریچر کو رواج دے اور ایک ایسا فرقہ پیدا کرے جو ازروئے مذہب مسلمان اور ازروئے خون ورنگ کے ہندوستانی ہو مگر باعتبار مذاق اور رائے وفہم کے انگریز ہوں۔(۶)

علیگڑھ کالج کے خاص امتیازات

☆ ملکہ معظّمہ وکٹوریہ کی سالگرہ کے دِن ۲۴مئی ۱۸۷۵ء کو اس کالج کا افتتاح کیا گیا۔

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

☆ کالج کا نام انگریزی میں اینگلو محمڈن اورینٹل کالج اور اُردو میں ''مدرستہ العلوم'' رکھا گیا۔

☆ لارڈلٹن وائسرائے ہند نے ۱۸ جنوری ۱۸۷۷ کو کالج کے لیے عمارت کا سنگ بنیاد رکھا۔

☆ کالج کی عمارت کیمبرج یونیورسٹی کے نمونہ پر بنائی گئی۔

☆ کالج کے مونوگرام میں ہلال اور کھجور کے ساتھ تاج برطانیہ کو بھی شامل کیا گیا۔

☆ دارالاقامۃ کے دروازوں پر ہلال اور تاج کندہ کرائے گئے تاکہ یہ ہر دم طالب علموں کی نظروں کے سامنے رہے۔وفاداری کی تعلیم ملتی رہے۔

☆ جگہ جگہ انگریزی زبان کے مقولے اور انگریز افسروں کے نام کندہ کرائے گئے۔

☆ استادوں کی غالب اکثریت انگریزوں پر مشتمل تھی۔

☆ طلبہ اور اساتذہ کے لیے مغربی لباس استعمال کرنا لازمی قرار دیا۔

☆ آکسفورڈ (آکسن) کیمبرج (کینٹیب) کے نمونہ پر علیگڑھ سے علیگ بنایا گیا۔(۷)

سرسیّد کی تعلیمی تحریک کا ہدف

سرسیّد کی تعلیمی تحریک کے اہداف یہ تھے کہ مسلمان جدید تعلیم، انگریزی تہذیب اور حکومت کے وفادار بن جائیں۔آپ علیگڑھ کالج کے طلبہ کو خطاب فرماتے ہوئے کہتے ہیں۔''اگر ہم زیادہ تر لائق اور زیادہ تر وفادار، زیادہ قابل اطمینان گورنمنٹ کے ہونگے، تو زندگی زیادہ آسائش سے بسر کریں گے، بس یہی طریقہ ہمارے مسلمان طالب علموں کو اختیار کرنا چاہیئے''۔(۸)

آپ فرماتے ہیں: ''ہمارے لیے سیدھا راستہ کھلا ہوا ہے کہ جہاں تک ہو سکے یورپین لٹریچر اور یورپین سائنس میں اعلی سے اعلیٰ درجہ کی ترقی کریں''۔(۹)

سرسیّد نے تحریک علیگڑھ جب شروع کی تھی تو ان کا عزم یہ تھا کہ فلسفہ ہمارے دائیں ہاتھ میں ہوگا، نیچرل سائنس بائیں ہاتھ میں اور ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کا تاج سر پر، لیکن تحریک علیگڑھ سے وہ نتائج برآمد نہ ہوئے جن کی انہیں توقع تھی۔

۱۸۸۲ء میں جب شبلی خود علیگڑھ کے پروفیسر تھے انہوں نے لکھا: ''معلوم ہوا کہ انگریزی خواں قوم نہایت مہمل فرقہ ہے، مذہب کو جانے دو، خیالات کی وسعت، سعی آزادی، بلند ہمتی، ترقی کا جوش برائے نام ہیں۔یہاں ان چیزوں کا ذکر نہیں آتا، بس خالی کوٹ پتلونوں کی نمائش گاہ ہے''۔(۱۰)

یہ شکایت انہیں آخر وقت تک رہی ان کا نقطہ نظر تھا کہ انیسویں صدی اور آغاز بیسویں صدی کے

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

مسلمان لیڈر رہی ہیں جنھوں نے ''کالجوں کے ایوانوں میں نہیں بلکہ مکتب کی چٹائیوں پر تعلیم پائی ہے۔سر سیّد نے بھی ۱۸۹۰ء کے ایک خط میں اعتراف کیا تھا کہ ''تعجب یہ ہے کہ جو تعلیم پاتے جاتے ہیں اور جن سے قومی بھلائی کی اُمید تھی' وہ خود شیطان اور بدترین قوم ہوتے جاتے ہیں''۔(۱۱)

الہلال کے ایک مضمون میں مولانا ابوالکلام آزاد نے علیگڑھ کے فارغ التحصیل لوگوں پر یہ تبصرہ کیا:

''میں جو نئے تعلیم یافتہ حضرات کا ہمیشہ شا کی رہتا ہوں' تو اسی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کی ہر گزشتہ خوبی اُن سے دُور پاتا ہوں اور ان کی جگہ کوئی نئی خوبی مجھے نظر نہیں آتی۔ہماری گذشتہ مشرقی معاشرت' اوضاع و اطوار' اخلاق و عادات' طریق بود و ماند' یہ سب کے سب انہوں نے ضائع کر دیئے اخلاق وتمدن کے بعد مذہب کا نمبر آیا اور جدید تعلیم وتہذیب کے مندر پر مذہب کی قربانی بھی چڑھائی گئی' خیر مضائقہ نہیں۔خرید وفروخت کا معاملہ ہے اور متاع بے بہا ہاتھ آئی ہو تو دِل وجان تک کو اس کی قیمت میں لگا دیتے ہیں''۔

لیکن سوال یہ ہے کہ یہ سب کچھ دے کر وہ کون سی چیز ہے جو ہاتھ آئی ؟

علم؟ نہیں' اخلاق؟ نہیں' تہذیب و معاشرت؟ یہ بھی نہیں۔پھر کیا بدبختی ہے کہ جیب اور ہاتھ دونوں خالی ہیں۔(۱۲)

مغربی تعلیم سے فارغ التحصیل ہونے والا طبقہ مغربی عادات واطوار وضع قطع اور اخلاق وکردار رکھتا تھا نیز ملازمتوں کے حصول کی جدوجہد میں ایسے طور طریقے اپنانے کی ضرورت تھی جو نوکرشاہی Beauro Cracy کا حصّہ بننے کے لئے ضروری تھے مثلاً خلوص ومحبت جو اسلامی تہذیب کا خاصہ ہیں کی بجائے وضع داری (Courtesy) میٹھی زبان اور تعریف وخوشامد کے مغربی اصول اپنائے گئے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جدید طبقہ میں قول وفعل کا تضاد' قوت عمل کی کمی اور اسی نوع کی بعض دوسری کمزوریاں پیدا ہوگئیں جو ایک آزاد مسلمان قوم کے افراد کے لیے مضر ہیں۔لیکن برطانوی اقتدار میں ملازمت کے لیے مفید تھیں۔

ایک عرصہ تک جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی اکثریت توحید ورسالت اور زندگی بعد موت کے بارے میں اس ایمان کامل (Conviction) سے بھی محروم رہی جو اسلام کی سربلندی کے لیے ضروری ہے۔معذرت خواہانہ طرزعمل سے وہ قومی خوداعتمادی ختم ہوکر رہ گئی جس کی اسلام کو ایک نظامِ حیات کے طور پر پیش کرنے کے لیے شدید ضرورت ہے۔اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ علیگڑھ میں مغربی علوم کے ساتھ دینیات کا جوڑ لگانے کا جو طریقہ اختیار کیا گیا اس میں ذہن پر اصل نقش مغربی علوم کا پڑتا تھا اور اسلام کو سمجھ کر اس کی روشنی میں جدید دنیا کے مسائل حل کرنے کی بجائے اسلام کا ایسا نظر ثانی شدہ ایڈیشن تیار کرنے کی طرف رغبت زیادہ ہوتی جو

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

مغربی دنیا کے لیے قابل اعتراض نہ ہو۔اور جدید طبقہ کے لیے قابل قبول ہو۔اسی سلسلہ میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حالات کے شدید دباؤ کی وجہ سے انیسویں صدی کے مسلم مفکرین نے مذہب کو ذاتی معاملہ قرار دے کر اس کے اجتماعی نظام سے دستبرداری کی جو روش اختیار کی عقیدت ومحبت کی وجہ سے بعد کے مسلمانوں نے بھی اس کو قبول کیا اور اجتماعی مسائل اسلام کی روشنی میں حل کرنے کی بجائے اسلام کو عبادات اور ذاتی اخلاق تک محدود کر دیا اور مادی ترقی کی طرف رجحان طبع اس حد تک بڑھ گیا کہ اسلام عمل سے رخصت ہو گیا اور روحانیت کا نام محض فیشن کے طور پر لیا جانے لگا۔

چنانچہ موجودہ دور میں تجّدد پسندوں اور قدامت پسندوں کے درمیان کشمکش کا آغاز تحریک علیگڑھ کے اثرات سے ہی ہوا۔

معاشرتی زندگی میں معذرت خواہانہ رویّہ

انیسویں صدی کی ابتداء سیّد احمد بریلوی کی تحریک اصلاح معاشرت و مذہب سے شروع ہوئی تھی جس کا سلسلہ سرسیّد احمد خان کے زمانہ تک جاری رہا وہ تحریک شرک وبدعت، آرام طلبی اور عیش پرستی کے خلاف تھی اور آزادی کی تحریک تھی، جس کے اثر سے بڑے بڑے امراء غریبوں کی مانند رہتے تھے۔ یہ اصلاح معاشرت و مذہب کا پہلا دور تھا اس صدی کے آخر میں سرسیّد احمد خان کے ہاتھوں اصلاح معاشرت و مذہب کا دوسرا دور شروع ہوا جو اوّل الذکر تحریک سے بالکل مختلف تھا۔

سرسیّد پر بڑا اثر اس بات کا تھا کہ تمدن و معاشرت کے اعتبار سے اہلِ یورپ مسلمانوں کو نہایت حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں ان کا خیال تھا کہ مسلمانون کو ایسا مذہب بنانا چاہئیے کہ اہلِ یورپ ان سے نفرت نہ کریں اور انہیں مہذب خیال کریں، آپ کی اصلاح معاشرت کا منشاء یہ تھا کہ مسلمان یورپ کی معاشرت کو اختیار کر لیں۔مسلمانوں کا کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا تمام امور اہلِ یورپ کی طرح ہو جائیں کیونکہ یورپین ایک مہذب قوم ہیں۔(۱۳)

آپ لکھتے ہیں''ہم بلا شبہ اپنی قوم کو اپنے ہم وطنوں کو سوی لائزڈ (Civilized) قوم کی پیروی کی ترغیب کرتے ہیں، ان سے یہ خواہش رکھتے ہیں کہ ان میں جو خوبیاں ہیں اور جن کے سبب وہ معزز اور قابل ادب سمجھی جاتی ہیں اور سوی لائزڈ شمار ہوتی ہیں ان کی پیروی کریں۔(۱۴)

سرسیّد کھانے پینے میں انگریز کی عادات کو پسند کرتے ہوئے اور مسلمانوں کے آداب کھانا کو ناپسند کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔''جو لوگ چمچے اور کانٹوں سے کھاتے ہیں اور ہر دفعہ رکابیاں اور چھری، کانٹے، چمچے بدلتے

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

جاتے ہیں جب وہ ہم مسلمانوں کو ہاتھ سے کھاتے دیکھتے ہیں تو ان کو نہایت نفرت اور کراہت آتی ہے''۔(۱۵)

آپ مزید لکھتے ہیں۔''ہم چاہتے ہیں کہ اپنے طریق معاشرت اور تمدن کو اعلیٰ درجہ کی تہذیب پر پہنچائیں، تاکہ جو قومیں ہم سے زیادہ مہذب ہیں وہ ہم کو بہ نظر حقارت نہ دیکھیں۔تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی تمام رسوم و عادات کو بہ نظر تحقیق دیکھیں اور جو بُری ہوں ان کو چھوڑ دیں اور جو قابل اصلاح ہوں ان میں اصلاح کریں۔(۱۶)

آپ کے نزدیک وہ عادات جو انگریزی تہذیب کے مطابق نہ تھیں وہیں بری تھیں اور ان کی اصلاح ضروری تھی آپ نے ان کے خاتمے کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا سیّد محمد طفیل لکھتے ہیں۔''مسلمانوں کو ذلت سے نکالنے کے لیے سرسیّد نے دو طریقے اختیار کیے، اوّل اصلاح معاشرت کے لیے ۱۸۵۷ء کے بعد ہی انگریزی تمدن اختیار کرلیا تھا اور انگریزوں کے ساتھ کھانا پینا شروع کر دیا تھا......مگر انگلستان سے لوٹ کر سر سیّد نے یہ اضافہ کیا کہ اس کام کی باقاعدہ تبلیغ شروع کر دی۔(۱۷)

ترکوں نے جب انگریزی تہذیب کو اختیار کرنا شروع کیا تو سرسیّد ترکوں کی تعریف کرتے ہوئے ہندوستان کے مسلمانوں کو بھی اس کی ترغیب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔''ترکوں کی تربیت اور شائستگی اور تہذیب کا اب یہ حال ہے کہ ان کا تمام لباس، کوٹ پتلون اور قمیض وواسکٹ بالکل یورپ کی مانند ہے۔ایک قسم کا فراک کوٹ ہے جو استعمال کرتے ہیں۔تمام امراء اور شریف لوگوں کا یہی لباس ہے ترکی ٹوپی جدا ہے۔ سب نے زمین پر بیٹھنا بالکل چھوڑ دیا ہے، میز و کرسی پر بیٹھتے ہیں میز پر چُھری کانٹوں سے کھانا کھاتے ہیں۔ ان کے مکان کی آراستگی اور طریقہ بالکل یورپیوں کا سا ہو گیا ہے جب وہ اپنی ہمسایہ قوموں فرنچ اور انگریزوں میں مل بیٹھتے ہیں تو ہم جولی معلوم ہوتے ہیں اور اُمید ہے کہ روز بروز اور زیادہ مہذب ہوتے جائیں گے، پس ہندوستان کے مسلمانوں سے بھی یہی چاہتے ہیں کہ اپنے تعصّبات اور خیالات خام کو چھوڑ دیں اور تربیت و شائستگی میں قدم بڑھائیں۔(۱۸)

سرسیّد خود سراپا انگریزی تہذیب تھے کہتے ہیں: ''ہم کانٹے سے کھانا مستحبات سے کم نہیں سمجھتے۔(۱۹) سرسیّد نے عام اخبارات کے ذریعے اصلاحِ معاشرت کے نام پر بکثرت مضامین کھانے اور لباس کے متعلق شائع کیے جن میں قدیم طریقوں کا مذاق اڑایا جاتا تھا۔(۲۰)

اصلاحِ مذہب کی متجّددانہ کوشش

سرسیّد کی مذہبی خدمات کے دو حصّے ہیں ایک وہ جو انہوں نے عیسائی معترضین کے مقابلہ میں کیں وہ

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

ان کے سفر انگلستان سے پہلے کی تھیں' دوسرے وہ جو قدیم علماء کے مقابلہ میں کیں' وہ انگلستان کے سفر کے بعد کی تھیں۔

انگریز حکمرانوں' مشنریز اور مغربی یونیورسٹیوں کے پروفیسر اسلام کو عقل کا دشمن' اخلاق کا دشمن' انسانی ترقی کا مانع' ثابت کر رہے تھے اور ولیم میور نے اپنی تحریر میں (نعوذ باللہ) انسانیت کے سب سے بڑے دو دشمن قرار دیئے ایک محمد کی تلوار اور دوسرا محمد کا قرآن۔(۲۱)

سرسیّد کی مذہبی تصنیفات کا مقصد مشنریوں کے مقابلے سے زیادہ ان اعتراضات کی تردید تھا جو یہ صاحبان کرتے تھے' اس مقصد کے لیے سرسیّد نے اسلام کی ایسی ترجمانی کی جس پر عقل سمجھ اور جدید فلسفے کی رُو سے کوئی اعتراض نہ ہو سکے اور جس کے مطابق مسلمانوں کو موجودہ زمانے میں بالخصوص اپنے عیسائی حاکموں کے ساتھ ربط ضبط رکھنے میں کوئی امر مانع نہ ہو۔(۲۲)

۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد توریت اور انجیل کی تفسیر ''تبین الکلام'' کے نام سے لکھی جس سے آپ کا منشا یہ تھا کہ اسلام اور عیسائیت میں جو اُمور مابہ النزاع ہیں اور جو متفق علیہ ہیں ان کی تشریح کر کے دونوں قوموں کی غلط فہمیوں کو دُور کیا جائے۔(۲۳)

دوسری تصنیف ''احکام طعام اہل کتاب'' ۱۸۶۸ء میں تحریر کی' جس میں یہ ثابت کیا کہ مسلمانوں کو انگریزوں کے ہاتھ کا کھانا اور ذبیحہ جائز ہے۔(۲۴)

پھر آپ نے ولیم میور کی کتاب ''لائف آف محمدؐ'' کا جواب بڑی محنت اور جانفشانی سے ''خطبات احمدیہ'' کے نام سے دیا۔(۲۵)

چنانچہ سفر انگلستان کے بعد آپ نے قرآن و حدیث اور اسلامی عقائد و افکار سے وہ باتیں جو آپ محسوس کرتے تھے کہ ان پر یورپین کو اعتراض ہو سکتا ہے' ان کی عقلی توجیہات کر کے ان کو پیش کیا۔

اپنی تمام تحریرات میں جمہور علماء سے کئی باتوں میں اختلاف کیا۔ اور جب آپ نے اپنے رسالہ تہذیب اخلاق میں اپنی تفسیر القرآن شائع کرنا شروع کی تو آپ میں اور علماء میں ایک بڑی خلیج حائل ہوئی۔ اور اُس جدید علم الکلام کی بنیاد ڈالی' جس کے متعلق آپ نے اپنی مفصل تقریر میں کیا تھا۔''اس زمانے میں ایک جدید علمِ کلام کی حاجت ہے جس سے یا تو ہم علومِ جدیدہ کے مسائل کو باطل کر دیں یا مشتبہ ٹھہرا دیں یا اسلامی مسائل کو ان کے مطابق کر کے دکھائیں۔(۲۶)

حالی نے تفسیر القرآن کے باون ایسے مسائل کا ذکر کیا ہے جن میں سرسیّد نے عام علماء سے اختلاف کیا

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

ہے۔(۲۷)

اس تفسیر میں انہوں نے قرآن کے تمام اندراجات کو عقل اور سائنس کے مطابق ثابت کیا ہے اور جہاں کہیں سائنس کی معلومات اور کلام مجید کے درمیان اختلاف معلوم ہوتا ہے وہاں معتزلہ کے طریقہ کے مطابق آیات کی نئی تاویل وتشریح کر کے اس اختلاف کو دور کیا ہے۔ جنت دوزخ کے متعلق تمام قرآنی ارشادات کو بطریق مجاز واستعارہ وتمثیل قرار دیا ہے۔ اور معجزات نبوی کو بھی عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کی ہے۔ سرسیّد نے عیسائیوں کے ذبیحہ اور گردن مروڑی مرغی کا کھانا جائز قرار دیا، جوتے پہن کر نماز پڑھنا، کھڑے ہو کر پیشاب کرنا، داڑھی منڈوانا وغیرہ جیسی چیزوں کو قرآن و حدیث سے جائز ثابت کرنے کی کوشش کی۔(۲۸)

طفیل منگلوری لکھتے ہیں: ''مسلمانوں کے مذہب کی خصوصیت جمعیت اور جماعت ہے اور اُن کے ہاں انفرادی عبادت صرف مجبوری کی حالت میں کی جاتی ہے مگر سرسیّد مسلمانوں کے مذہبی اجتماعات سے نہ صرف علیحدہ رہتے تھے بلکہ خوشی کے مواقع پر بھی مسلمانوں کے مفلس اور جاہل ہونے کا سوگ مناتے تھے اور عید کے دِن کبھی کبھی مسلمانوں کی بربادی کے متعلق مضامین لکھتے تھے جن میں روزہ رکھنے والوں اور تراویح پڑھنے والوں کا مضحکہ اڑایا جاتا تھا''۔(۲۹)

معجزات وکرامات کا انکار

سرسیّد معجزات کو انسان کے دین ودنیا کے بگاڑ کا سبب خیال کرتے تھے فرماتے ہیں ''انسان کے دین ودنیا اور تمدن ومعاشرت بلکہ زندگی کی حالت کو کرامت اور معجزات پر یقین یا اعتقاد رکھنے سے زیادہ خراب کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے۔(۳۰)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں: ''پس جب تک مسلمانوں میں سے معجزات وکرامات کا اعتقاد نہیں جاتا ان کا کامل طور پر مہذب ہونا محالات سے ہے۔(۳۱)

حضرت جبرائیل کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں '' خدا اور پیغمبر میں بجز اس ملکہ نبوت کے جس کو ناموس اکبر اور زبان شرع میں جبرائیل کہتے ہیں اور کوئی ایلچی پیغام پہنچانے والا نہیں ہوتا، اس کا دل ہی ہمارا آئینہ ہوتا ہے۔ جس میں تجلیات ربانی کا جلوہ دکھائی دیتا ہے۔ اس کا دِل وہ ایلچی ہوتا ہے جو اس کے پاس پیغام لے جاتا ہے اور خدا کا پیغام لے کر آتا ہے۔(۳۲)

معراج نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں سرسیّد کا نقطہ نظر یہ ہے کہ وہ محض ایک خواب تھا اس مسئلہ پر

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

انہوں نے اپنی تفسیر کے ۱۴۰ صفحات لکھے ہیں۔

حالی کے بقول ''انہوں نے اس بات کا ثبوت دیا ہے کہ معراج اور اسراء درحقیقت ایک ہی واقعہ تھا اور وہ ابتداء سے اخیر تک روح کے ساتھ اور خواب کی حالت میں واقع ہوا تھا''۔(۳۳)

حضرت موسیٰؑ کا عصا جو اژدھا بنتا تھا اور دیگر معجزات کے بارے میں لکھتے ہیں: ''حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ کیا بمقتضاء قوت انسانی تھا کوئی مافوق الفطرت نہ تھا۔(۳۴)

مزید برآں حالی نے سرسیّد کی گیارہ ایسی بدعات واختراعات بھی گنائی ہیں جن میں کسی ایک کی بھی کوئی مثال اسلام کے ابتدائی ادوار میں نہیں ملتی ہے۔ان کا شمار جدید پسندوں کی عذرخواہیوں کے ضمن میں ہوتا ہے۔(۳۵)

بقول شیخ اکرام ''تفسیر کی اشاعت نے سرسیّد کے دوسرے کاموں کو بہت نقصان پہنچایا اور اس سے فائدہ بہت کم ہوا۔ان کا اصل مقصد مسلمانوں میں تعلیم عام کرنا اور ان کی دنیوی ترقی کا انتظام کرنا تھا۔اسلام اور تفسیر قرآن کے متعلق بالخصوص ان مسائل کے متعلق جن کا نہ تعلیم سے خاص تعلق ہے نہ دنیوی ترقی سے عام مسلمانوں سے گہرا اختلاف پیدا کر کے سرسیّد نے اپنی مخالفت کا سامان آپ پیدا کر دیا اور بعض لوگوں کو انگریزی تعلیم سے عقائد متزلزل ہو جانے کا جو ڈر تھا اس کا بدیہی ثبوت خود بہم پہنچا دیا۔(۳۶)

حجیت حدیث کا انکار

سرسیّد لکھتے ہیں ''کسی مسئلہ یا طریقہ یا عادت یا رسم ورواج پر بحث کرنے میں وہ اقوال انسان کو بڑی غلطی میں ڈالتے ہیں جو حدیث کے نام سے مشہور ہیں۔(۳۷)

سرسیّد کا اپنا نظریہ تنقیدِ حدیث' جسے بعد میں چراغ علی نے مزید دیدہ ریزی سے تکمیل کو پہنچایا یہ تھا کہ کلاسیکی احادیث کا بیشتر حصّہ جو عقل انسانی کے لیے ناقابل قبول ہے یک قلم مسترد کر دیا جائے۔ ہر ایسی حدیث کو بھی ردّ کر دینا چاہیئے جو پیغمبرانہ شان کے متضاد ہو۔مستند احادیث صرف تین قسموں کی ہو سکتی ہیں وہ جو قرآن کے مطابق ہوں اور اس کے احکامات کی تکرار کرتی ہوں وہ حدیثیں جو احکام قرآنی کی تشریح یا وضاحت کرتی ہوں یا پھر وہ حدیثیں جو ان بنیادی قانونی ضابطوں سے متعلق ہوں جس کے متعلق قرآن خاموش ہے۔ جو حدیث کسی قرآنی حکم کی تنقیص کرتی ہے وہ یقیناً موضوع ہوگی یہاں تک کہ وہ احادیث جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات صحیحہ کی واضح عکاس کے طور پر مسلمہ ہیں ان میں بھی یہ امتیاز کرنا پڑے گا کہ ان میں سے کون سی حدیثیں ہیں جو آپ نے بحیثیت پیغمبر خدا ارشاد کی ہیں اور جو بحیثیت انسان ان کے

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

ذاتی خیالات یا پسند و ناپسند کی مظہر ہیں۔(۳۸)

بے شمار احادیث جو سرسیّد کے ذہن کے مطابق نہیں تھیں ان کو غیر مفید قرار دے کر سیّد صاحب نے ردّ کر دیا۔ ڈاکٹر علامہ خالد محمود اس بارے میں لکھتے ہیں:

''یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انکار حدیث کی تحریک کسی دور میں منفی عنوانوں سے نہیں چلی، اس نے اپنی منفی آواز کے لیے ہمیشہ سے کسی نہ کسی مثبت عنوان کا سہارا لیا ہے منکرین حدیث کبھی جامعیت قرآن کا نعرہ لے کر اٹھے کہ قرآن کریم کے ہوتے ہوئے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں، کبھی لوگوں نے کہا قرآن کریم کے ابدی قوانین ہر زمانے کے نئے تقاضوں کے تحت طے ہونے چاہئیں، قرآنی احکام کی جو تشکیل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں ہوتی وہ صرف اس دور کے لیے تھی اس نئے دور میں قرآنی احکام کی تشکیل اسمبلیوں کے ذریعے ہونی چاہئے۔ اور کبھی ان لوگوں نے بعض حدیثوں کو خلاف عقل ہونے کا سہارا لیا اور ان کے ذریعے کل ذخیرہ حدیث کو گدلا کرنا چاہا۔ ابتدائی عنوان ان کا یہ رہا کہ ہم ان حدیثوں کو کیسے مان لیں جن میں یہ مضامین ہیں۔ ان لوگوں نے چند متشابہات کے باعث کل احادیث ہی لائق انکار ٹھہرا دیں اور کہیں انہوں نے باطنی تاویلات کی راہ سے احادیث کا انکار کیا''۔(۳۹)

سرسیّد نے پوری امت کے مذہبی متقدات سے اختلاف کیا اور دین کا جو تصور انہوں نے پیش کیا اُسے امت مسلمہ کسی طرح قبول نہیں کرسکتی لیکن اس طرزِ عمل کے دو پہلو قابل ذکر ہیں، ایک یہ کہ ہر خاص و عام کی مخالفت بھی سرسیّد کو اپنے نظریات کو تبدیل کرنے پر آمادہ نہ کرسکی یہاں تک کہ حالی جیسے قریبی دوست و مداح بھی انہیں اپنی غلط آراء سے رجوع پر آمادہ نہ کرسکے۔

خلافت عثمانیہ سے مشروط تعلق

۱۸۷۰ء میں سرسیّد ہر تعلیم یافتہ ہندوستانی مسلمان کی طرح ترکی کے حامی وطرفدار تھے ہندوستان کے مسلمانوں میں انہی نے ترکی ٹوپی (فیض) کو مقبول عام بنایا۔ ۱۸۷۰ء میں انہوں نے ایک مکتوب میں سلطان عبدالعزیز کو سریرآراء ومحافظ خلافت ہونے پر مبارکباد دی۔ ان کی تنظیمات اور ان پر مبنی اصلاحات کی تعریف کی۔ انہوں نے ۱۸۶۸ء میں استنبول میں پرنس آف ویلز (بعد میں ایڈورڈ ہفتم) اور ان کے ہمراہیوں کا استقبال کرنے اور بعد میں سلطان عبدالعزیز کے سفرِ لندن پر اطمینان کا اظہار کیا اور اسے اسلامی اور عیسائی طاقتوں کے مابین صلح وآتشی کا نشان قرار دیا۔

تہذیب اور خلافت میں ترکی کے تین سلاطین یعنی محمود، عبدالمجید اور عبدالعزیز کے متعلق مضامین لکھے اور

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

انہیں ترکی کے معاشرتی مصلحین موسوم کیا اور ہندوستانی مسلمانوں کو ان کی تقلید کا مشورہ دیا۔

جنگ کریمیا کے موقع پر ان کی رائے تھی کہ ہندوستانی مسلمانوں کو برطانیہ کا شکر گزار ہونا چاہئیے کہ اُس نے ترکوں کی مدد کی۔ ترکوں کے مغربی لباس کو بھی سرسیّد نے بہ نظرِ استحسان دیکھا۔ لیکن ۱۸۷۷ء۱۸۷۸ء میں برطانیہ کی روس کے مقابلہ میں ترکوں کی خاطر خواہ امداد سے روگردانی، برطانوی لبرل پارٹی کی حکمت عملی اور برلن کانگریس کے انعقاد سے قبل اور اس کے دوران سیاسی سازشوں نے ہندوستانی مسلمانوں کے روشن خیال طبقہ کی آنکھیں کھول دیں۔ لیکن سرسیّد کی ''محبت کا محور صرف اور صرف مسلمانان ہند تھے'' وہ کسی بھی ایسی بات کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھے جو ان کے ہم وطن مسلمانوں کے مستقبل کو خطرہ میں ڈال دے۔(۴۰)

سرسیّد نے کہا ''ہم حکومت برطانیہ کی وفادار اور تابعدار رعایا میں...... ہم سلطان عبدالحمید ثانی کی رعایا نہیں ہیں...... ان کا بحیثیت خلیفہ ہونے کے ہم پر نہ کوئی روحانی اختیار ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ ان کا خلیفہ کا لقب صرف ان کی اپنے اندرون ملک اور زیرِ حکومت مسلمانوں پر اثر انداز ہے۔(۴۱)

وہ اس موقع پر اپنے فیصلے کو اپنی قوم پر ٹھونسنا چاہتے تھے لیکن یہاں کے عوام نے انگریز کی وفاداری کی بجائے دارالاسلام سے عقیدت کو اپنا مسلک قرار دیا۔ یہ قلابازیاں برصغیر پاک وہند کے سیاسی اسباب کے ساتھ ساتھ انگریز سے مرعوبیت کے سبب بھی تھیں۔ اُس زمانے کے اُردو اخبارات میں جو حملے سرسیّد کے معاشرتی اور مذہبی خیالات پر کیے گئے ان کی وجہ سے سرسیّد کے اصول کی بناء پر کوئی علیحدہ جماعت یا فرقہ تو قائم نہ ہو سکا لیکن ان کی روش کو از راہِ تحقیر ''فرقہ نیچریہ'' سے تعبیر کیا گیا یعنی ایسا فرقہ جس نے نیچر کی پیروی کی۔

پروفیسر عزیز احمد کے نزدیک ''سیّد احمد خان نے نیچر کی اصطلاح سے وہی مفہوم لیا ہے جو انیسویں صدی کے سائنس دان لیتے ہیں۔ یعنی ایک ایسا جامع نظام عالم جو میکانیات اور طبیعات کے کچھ قوانین کا پابند اور غیر متغیرانہ طور پر رویے اور کردار کی یکسانی کے وصف سے متصف ہے جس میں استثناء کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔(۴۲)

بی اے ڈار نے خوب پتے کی بات کہی ہے کہ ''نیچر کا خالص الٰہیاتی اور پیوندی مشاہدہ جس کی بنیاد مکمل طور پر غیر الٰہیاتی تشریح پر ہے جو ان کے زمانہ میں رائج تھی...... کائنات کے مشاہدہ کا رخ میکانکیت سے غائیت کی طرف بدل دینا قطعاً ناجائز تھا۔(۴۳)

سرسیّد کا ہم خیال طبقہ

سرسیّد کے مخصوص تعلیمی، سماجی وثقافتی اور آزادانہ مذہبی خیالات نے ملک میں طوفان برپا کر دیا، لیکن

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

دوسری طرف بہت سے آدمی جن کا تعلق پُرانے علوم سے تھا نہ صرف اُن سے متاثر ہوئے بلکہ ان کے گرد ایسے لوگوں کا ایک حلقہ بن گیا' جو اُسی تجّدد کی راہ پر چل نکلا جو سرسیّد نے ان کے لیے وضع کیا تھا' ان میں مولوی چراغ علی' مولانا الطاف حسین حالی' ڈپٹی نذیر احمد اور جماعت احمدیہ کے مولوی محمد علی جنھوں نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں سرسیّد کے تفسیر اور اصولِ تفسیر سے متعلق خیالات کو سرسیّد سے بڑھ کر اپنالیا تھا۔

آہستہ آہستہ انکارِ حدیث کا ایک دبستان وجود میں آ گیا جن میں عبداللہ چکڑالوی' اسلم جیراجپوری' نیاز فتح پوری' علامہ تمنا عمادی پھلواری اور ڈاکٹر غلام جیلانی برق وغیرہ جیسے لوگ پائے جاتے ہیں۔ یہ تحریک تجّدد چونکہ مغربی تہذیب وتمدن کے زیر اثر شروع ہوئی تھی بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ وہ مغربی تہذیب وتمدن کو اسلامی تہذیب وتمدن کے اندر ختم کرنے کے لیے شروع ہوئی تھی تو بے جانہ ہوگا اس لیے یہ مطلقاً مغرب زدہ تحریک تھی یہ تحریک اس نقطہ نظر کے تحت شروع کی گئی تھی کہ مسلمان استعماری قوتوں کے زیر اثر آ جائیں اور ان میں جو دینی اور روحانی قوت موجود تھی وہ بھی کمزور پڑ جائے اور وہ استعماری قوتوں کی لیے لقمہ تر بن جائیں۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ یہ مقصد تو اُس مغربی تہذیب کے علمبرداروں کا تھا لیکن خود تجّدد پسند مسلمانوں کے پیش نظر یہ تھا کہ اسلام کو وقت کے تقاضوں کے ساتھ بدل دینا چاہئے اور وہ مسلمانوں کی ترقی کا راز اسی روش میں مضمر جانتے تھے۔ ان متجّددانہ کوششوں سے برصغیر کے محدود ہی سہی لیکن کچھ نہ کچھ اثرات مرتب ہوئے مثلاً:

۱۔ حجیت حدیث سے انکار کا رجحان پیدا ہوا
۲۔ قرآنی تفسیر میں نئے من مرضی کے رجحانات
۳۔ معجزات کے اِنکار کا رجحان
۴۔ دین وسیاست کی جدائی کے تصور کو فروغ
۵۔ دنیا طلبی اور خدا بیزاری کا رجحان
٦۔ سودی نظام جو آج ہندوستان اور پاکستان کی معیشت کی بنیاد بن چکا ہے' کا فروغ
۷۔ بے پردگی میں روز افزوں اضافہ
۸۔ مخلوط معاشرتی روایات

سرسیّد اوران کی تحریک پر تبصرہ

سرسیّد نے جس تحریک کی رہنمائی کی اس کے کئی پہلو تھے تعلیمی' مذہبی' معاشرتی' سیاسی اور ادبی۔ سرسیّد

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

نے ان تمام محاذوں پر کی حدتک کامیابیاں حاصل کیں۔

سیّدابوالحسن علی ندوی سرسیّد کے کام پرتبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔''وہ قوم جوکل اس ملک کی حاکم تھی اس کی ذلت و پستی، بڑے بڑے خاندانوں اور گھرانوں کی ہلاکت اور انگریزوں کی شان وشوکت (جو مسلمانوں کی عظمت رفتہ کے ملبے پر قائم ہورہی تھی) نیز ان کی حکومت اور ساحرانہ تہذیب کے مناظر بھی دیکھے۔اس کے علاوہ ملازمت، رفاقت اور دوستی وتعارف کے ذریعے ان کوانگریزوں سے طویل واسطہ پڑا تھا اور بہت قریب سے ان کی زندگی کے مطالعہ کا موقع ملا تھا وہ ان کی ذہانت، قوتِ عمل اوران کے تمدن سے متاثر ہوئے۔وہ ایک ذہین، نہایت زکی الحس، سری الانفعال اور دردمند قسم کے آدمی تھے انہوں نے متوسط درجہ کی دینی تعلیم پائی تھی اور دینی علوم اور کتاب وسنت پران کی نظر گہری اور وسیع نہ تھی، جلد رائے قائم کر لینے اور جرات کے ساتھ اس کا اظہار کرنے کے عادی تھے وہ انگریزوں سے اس طرح متاثر ہوئے جس طرح کوئی مغلوب غالب سے یا کوئی کمزور طاقتور سے متاثر ہوتا ہے۔انہوں نے شخصی طور پر انگریزی تہذیب اور طرز معاشرت کو اختیار کیا اور دوسروں کو بھی بڑی گرمجوشی اور قوت کے ساتھ اس کی دعوت دی ان کا خیال تھا کہ اس ہم آہنگی، حاکم قوم کی معاشرت وتمدن اختیار کرنے اور ان کے ساتھ بے تکلف رہنے سے وہ مرعوبیت، احساس کمتری اور احساس غلامی دُور ہو جائے گا جس میں مسلمان مبتلا ہیں اور حکام کی نظر میں ان کی قدر ومنزلت بڑھ جائے گی اور وہ ایک معزز مساوی درجہ کی قوم کے افراد معلوم ہونے لگیں گے''۔(۴۴)

مغربی تہذیب سے سرسیّد بُری طرح متاثر ہوئے۔مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں کہ''وہ اُس تہذیب اور معاشرہ سے اس طرح متاثر ہوتے کہ ان کے دِل ودماغ اعصاب اور ساری فکری صلاحتیں اس سے وابستہ ہوگئیں......انہوں نے اپنی ساری صلاحتیں اور قوتیں اس کے لیے وقف کردیں۔ان کا نقطۂ نظر خالص مادی ہوگیا وہ مادّی طاقتوں اور کائناتی قوتوں کے سامنے بالکل سرنگوں نظر آنے لگے وہ اپنے عقیدہ اور قرآن مجید کی تفسیر بھی اسی بنیاد پر کرنے لگے انہوں نے اس میں اس قدر غلو سے کام لیا کہ عربی زبان ولغت کے مسلمہ اصول وقواعد اور اجماع وتواتر کے خلاف کہنے میں بھی ان کو باک نہ رہا''۔(۴۵)

یہ انتہا پسندانہ مادّی رجحان، عقل انسانی کی تقدیس اور اس کے حدود اور دائرہ عمل کی ضرورت سے زیادہ توسیع، خدا کی قدرت ومشیت کو قوانین فطرت اور اسباب ظاہری کا پابند سمجھنا، قرآن کی جسارت کے ساتھ تاویل وتشریح وہ چیزیں تھیں جنھوں نے ایک نئے فکری انتشار اور بے راہ روی اور بے باکی کا دروازہ کھول دیا اور آگے چل کر لوگوں نے اس سے ناجائز فائدہ اٹھایا کہ دین کی تشریح اور قرآن کی تفسیر بازیچۂ اطفال بن گئی۔طفیل منگلوری لکھتے ہیں: ''سرسیّد کی ان تحریرات کے مقابلہ میں علماء کی جماعت کے حملے سرسیّد اور علی گڑھ کے مجوزّہ مدرسۃُ العلوم پر ہوتے تھے جو وجود میں نہ آیا تھا اور اس کشاکش نے ایک ایسا لٹریچر پیدا

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

کر دیا تھا جو دونوں کے لیے شرمناک تھا اس سے بظاہر فریقین کو اور دراصل کل قوم کو نقصان پہنچا۔علماء کے اعتراضات سے سرسیّد کی تعلیمی تحریک عام مسلمانوں کے نزدیک مشتبہ ہوگئی اور سرسیّد کے اعتراضات سے علماء متقدمین اور متاخرین کی وقعت سرسیّد کے متبعین کے دلوں سے اٹھ گئی۔مسلمانوں کا ماضی ان کی نظروں میں تاریک ہوگیا' ان امور سے علماء دِین کا اثر قوم پر سے اٹھ گیا اور حکام وقت کو مسلمانوں کی کل جماعت سے اندیشہ کی کوئی بات باقی نہ رہی جس کی انہیں عرصہ دراز سے تمنا تھی۔(۴۶)

یوں انگریزی عہد میں ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کی سامراجی پالیسی قدیم وجدید کی اس جنگ میں عملی طور پر ظاہر ہوئی۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ فلاحی' عبداللہ فہد' تاریخ دعوت و جہاد' مکتبہ تعمیر انسانیت اُردو بازار لاہور' ۱۹۸۷' ص ۲۴۰

۲۔ حالی' الطاف حسین' حیاتِ جاوید' انجمن ترقی ہند' دہلی ۱۹۳۹' ص ۱۵۱

۳۔ منگلوری' طفیل احمد' مسلمانوں کا روشن مستقبل' حماد المکتبی لاہور' سن ندارد ص ۲۲۰

نوٹ: مولف کے نزدیک عوام الناس میں پھیلایا ہوا یہ خیال انگریز نے اپنے مخصوص مقاصد کے حصول کے لیے ممکن ہے چھوڑا ہو کہ سرسیّد انگریزی تہذیب ومعاشرت کے دلدادہ اور نمائندہ تھے تاکہ لوگ اس عبقری شخصیت کے سحر میں گرفتار ہو کر اُس تقلید عقلی کے لیے تیار ہو جائیں جو وہ پھیلا رہے تھے۔

۴۔ حیاتِ جاوید' ص ۱۵۱

۵۔ مسلمانوں کا روشن مستقبل' ص ۲۱۹

۶۔ حیات جاوید' ص ۱۶۸

۷۔ سیّد محمد سلیم' پروفیسر' تاریخ نظریہ پاکستان' ادارہ تعلیمی تحقیق' لاہور' ۱۹۸۵ء' ص ۱۲۱

۸۔ ایضاً' ص ۱۲۲' ص ۱۲۳

۹۔ محمد اسمٰعیل' پانی پتی' مقالاتِ سرسیّد' مجلس ترقی ادب لاہور' ۱۹۶۲' ج ۸' ص ۳۳'

۱۰۔ ایضاً' ص ۴۱

۱۱۔ محمد اکرام شیخ' موج کوثر' ادارہ ثقافت اسلامیہ' کلب روڈ' لاہور' ۱۹۹۴ء ص ۲۲۷

۱۲۔ ایضاً' ص ۲۲۸ ۱۳۔ بحوالہ موج کوثر' ص ۲۵۸

۱۴۔ مسلمانوں کا روشن مستقبل' ص ۲۲۴

۱۵۔ پانی پتی' محمد اسمٰعیل' مقالاتِ سرسیّد' مجلس ترقی ادب' لاہور' ۱۹۶۲ء' ج ۵' ص ۳۳

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

۱۶۔ ایضاً، ص ۳۷
۱۷۔ ایضاً، ص ۱۷
۱۸۔ مسلمانوں کا روشن مستقبل، ص ۲۲۵
۱۹۔ مقالات سرسیّد، ج ۷، ص
۲۰۔ ایضاً، ج ۵، ص ۳۹
۲۱۔ مسلمانوں کا روشن مستقبل، ص ۲۲۶
۲۲۔ موج کوثر، ص ۱۵۶
۲۳۔ ایضاً، ص ۱۵۸
۲۴۔ مسلمانوں کا روشن مستقبل، ص ۲۱۷
۲۵۔ ایضاً، ص ۲۱۸
۲۶۔ موج کوثر، ص ۸۴
۲۷۔ موج کوثر، ص ۱۵۹
۲۸۔ ایضاً، ص ۱۴۰
۲۹۔ مسلمانوں کا روشن مستقبل، ص ۲۲۸
۳۰۔ ایضاً، ص ۲۲۹
۳۱۔ مقالات سرسیّد، ج ۱، ص ۱۲۳
۳۲۔ ایضاً، ج ۱، ص ۱۲۷
۳۳۔ سرسیّداحمد خاں، تفسیر القرآن وھوالھدیٰ والفرقان، قومی کتب خانہ کشمیری بازار لاہور، ج ۱، ص ۲۵
۳۴۔ حیاتِ جاوید، ص ۵۸۶
۳۵۔ مقالاتِ سرسیّد، ج ۱۴، ص ۲-۱۷
۳۶۔ حیات جاوید، ص ۲۴
۳۷۔ موج کوثر، ص ۱۶۲
۳۸۔ مقالاتِ سرسیّد اوّل اور تہذیب الاخلاق یکم شوال ۱۲۸۸ھ، ص ۶۰
۳۹۔ آزاد، ابوالکلام، مولانا، خطبات، م ن، ۱۹۵۹ء، ص ۳۳۴
۴۰۔ علامہ خالد محمود، ڈاکٹر آثار الحدیث، دارالمعارف، اُردو بازار ۱۹۸۸، ج ۲، ص ۴۰۰
۴۱۔ موج کوثر، ص ۱۲۹
۴۲۔ ملاحظہ فرمائیں آخری مضامین سرسیّد، قومی دکان، کشمیری بازار لاہور، ۱۹۱۶
۴۳۔ عزیز احمد، پروفیسر، برصغیر میں اسلامی جدیدیت، (مترجم ڈاکٹر جمیل جالبی) ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۷، ص ۷۵

44. B.A. Dar, Religious thought of Syed Ahmad Khan, Lahore. 1957, P.P.,150-151

۴۵۔ ندوی، ابوالحسن علی، مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، مجلس نشریات اِسلام ناظم آباد کراچی، ۱۹۸۱ء، ص ص ۹۵، ۹۶
۴۶۔ ایضاً، ص ۹۹

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.